Tarseel, Vol.18 (ISSN: 0975-6655)
A Peer Reviewed Research Journal of Urdu
Listed in UGC-CARE
Center for Distance and Online Education
University of Kashmir

بیجاپور کی دکنی مثنویوں میں اخلاقیات

(نجات نامہ اور مثنوی ہاشمی بیجاپوری کے حوالے سے)

ڈاکٹر سید علیم اللہ حسینی

تلخیص

اردو زبان و ادب کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا ابتدائی زمانہ مذہبی تصانیف و تالیفات سے بھرا پڑا ہے۔ عادل شاہی اور قطب شاہی سلاطین کی قیام پذیری کے بعد ادبی تخلیقات کا ایک وسیع سلسلہ شروع ہوا جو تا ایں دم جاری و ساری ہے۔ ان دو سلطنوں کے سربراہ جہاں خود شعر و شاعری کے شیدائی گزرے ہیں وہیں ان کی سرپرستی سے دنیا جہاں سے ادباء و شعرا یہاں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے رہے۔ ان ہی تخلیق کاروں میں امین ایاغی اور ہاشمی بیجاپوری کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی مثنویاں اردو کے کلاسیکی ادب کا ناقابلِ فراموش سرمایہ ہیں۔ یہ مثنویاں جہاں فنی اعتبار سے اپنا وقار و اعتبار رکھتی ہیں وہیں فکری سطح پر بھی ان کی معنویت میں روز وں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ اس مضمون میں امین ایاغی اور ہاشمی بیجاپوری کی مثنویوں کے ایک اہم فکری گوشے کو نمودار کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو اس مضمون کو تحقیقی و تنقیدی اعتبار سے ایک اضافے کی سند عطا کرنے کا جواز فراہم کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ:

اہلِ تصوف، تصوف، اسلامی طرزِ فکر، اخلاقی اقدار، روحانی تسکین

بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد پانچ حکومتیں اپنی خودمختاری کا اعلان کرتی ہیں ان پانچ سلطنتوں میں عادل شاہی حکمرانوں نے تقریباً پونے دوسو برس سے زائد عرصہ تک حکومت کی اور اورنگ زیب عالم گیر نے عادل شاہی حکومت کو مغل سلطنت میں شامل کرلیا۔ ہمارا موضوع دکن کی ساڑھے چار سو سالہ تاریخ پر مشتمل نہیں ہے بلکہ عادل شاہی عہد میں جو دکنی ادب پروان چڑھا اور اُس ادب کے ذریعہ سماج اور معاشرے کی تعمیر و تشکیل کی جو شعوری کوششیں کی گئیں، اس کا احاطہ کرنا ہے۔ جب ہم اس عہد کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ احساس شدت سے ہوتا ہے کہ دکنی زبان کے ذریعہ جو ادب پروان چڑھا وہ دو زمروں میں بٹا ہوا نظر آتا ہے۔ ایک زمرہ اہلِ تصوف کا تھا جس نے اپنی مخصوص اسلامی طرز فکر کو دکنی شعر و نثر کے ذریعہ عوام کی اصلاح و تبلیغ کا ذریعہ بنایا۔ دوسرا زمرہ جو عام طور پر دکنی دبستان ادب کہلایا وہ انسانی طرزِ معاشرت خصوصاً سماج اور سماجی زندگی کے خوبصورت خدوخال بنانے اور سنوارنے کے لیے انتھک محنت کرتا نظر آتا ہے۔ دکن کا پورا ماحول اور معاشرہ اہلِ تصوف کے زیر اثر رہا۔ خانقاہی نظام نے مسلمانوں کے کثیر طبقے کو متاثر کیا جس کے اثرات بیجاپور میں آج بھی ہمیں خصوصی طور پر نظر آتے ہیں۔ ادب کے متذکرہ بالا دونوں گروہوں نے بڑے خلوص کے ساتھ اپنی اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے دکنی زبان کے ذریعہ علم و ادب کی پرورش کی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی تاریخ ادب اُردو جلد اول ص 191 باب عادل شاہی دور میں دکنی ادب کی اہمیت سے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

> ''موضوعات میں تصوف و اخلاق کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ابتدائی دور کی کم و بیش ساری تحریریں مذہب اور تصوف کے موضوعات سے ہی تعلق رکھتی ہیں لیکن آگے چل کر اخلاقی اقدار زیادہ اہمیت اختیار کرلیتی ہیں۔''[۱]

صوفیانہ ادب سے ہٹ کر دبستان بیجاپور کا ادب ہمیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُس عہد کے دکنی شعرا سماج اور معاشرے کی تعمیر و تشکیل کے لئے حکومت کے دباؤ کے بغیر اپنی صالح فکر کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے عوام کے کردار، اخلاق اور اپنی شاعری کے ذریعہ اور خاص طور پر مثنویوں کے حوالے سے تربیت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کی دکنی مثنویوں کا مطالعہ آج کے معاشرے کے لیے بھی ضروری اور اہم تصور کیا جاتا ہے۔ 1857 کے بعد سرسید کی اصلاحی تحریک میں جو نمایاں خصوصیات نظر آتی ہیں وہ خصوصیات دوسو سال قبل ہمیں شعوری کوششوں کے ساتھ دکنی ادب میں بھی بہ خوبی نظر آتی ہیں۔ سرسید نے مسلمانوں کی معاشرتی اور سماجی زندگی کی اصلاح کرنے کے لئے جن

اُمور کو ضروری سمجھا اس کو انھوں نے اپنے پرچے تہذیب الاخلاق کے ذریعہ پیش کرنے کی کوشش کی مثلاً انسانی کردار کو اور اُس کے معاشرے کو سنوارنے کے لیے انسانی سرشت میں جو خبیث عادتیں موجود تھیں جن سے اخلاق بگڑ چکے تھے اُسے دوبارہ صحیح راہ دکھانے کی کوشش کی مثلاً سرسید نے تعصب، حسد، اخلاق، رسم ورواج کی پابندی، خوشامد، بحث وتکرار جیسے بے شمار موضوعات پر مدلل انداز میں اپنے عہد کے مسلمانوں کو سمجھانے اوران کے اخلاق کو سنوارنے کی شعوری سعی کی۔ سرسید سے دوسو برس قبل عادل شاہی عہد کے دکنی، شعراء کے کارنامے بھی اپنے عہد کے مسلمانوں کے سنوارنے کے لئے وہی سب کچھ کرتے رہے جو دوسو برس بعد سرسید نے کیا۔ مختصر یہ کہ صالح معاشرہ کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ اخلاق پر مبنی ہو اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو بہترین اخلاق دے کر رسالت کے مرتبہ پر فائز کیا تھا۔ اخلاق صرف زندگی کے مخصوص امور تک محدود نہیں بلکہ زندگی کی تمام ضرورتوں کا تعلق اخلاق ہی سے ہے اس لیے اسلامی فکر وہدایت کا تسلسل دکنی شاعری میں بھی شدت سے دکھائی دیتا ہے۔ اُس عہد کی جتنی مثنویاں ہمارے زیرِ مطالعہ رہیں ان تمام میں باوجود عشق ومحبت کے قصوں کے اخلاقی عنصر کو ضرور شامل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے شعرا نے اخلاق ہی کو بنیاد بنا کر مثنویاں یادگار چھوڑیں ہیں جن میں خاص طور پر ہاشمی بیجاپوری، محمد امین ایاغی، علی رحمی بیجاپور وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں۔ امین ایاغی نے ''نجات نامہ'' کے عنوان سے جو مثنوی لکھی ہے اُس میں زندگی کے ان تمام اُمور کا احاطہ کیا ہے جس سے انسان کے اوصاف کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اس نے نہ صرف بندے کو اللہ سے جوڑنے کا کام کیا بلکہ اُس نے اسلامی فکر کے تحت کردار کو بگاڑنے والی عادات واطوار کا بھی بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا ہے۔ اُس نے اپنی مثنوی میں دس عنوانات کے تحت ابتداء میں فکر کی جولانی کو سمونے کی کوشش کی ہے اس نے اللہ کی قدرت اور وحدانیت کا اظہار کیا ہے اور اپنے لئے دعا بھی کی ہے۔ دوسرے عنوان میں نعت رسول مصطفیٰ لکھی اس نعت میں اس نے اللہ کے رسول کی تعلیمات کا بھی بھرپور اظہار کیا ہے اس کے بعد اُس نے تیسرے عنوان میں جو خاص اہمیت کا حامل ہے، یعنی قیامت کے بعد کی زندگی جو دنیا میں عمل کے بعد کی زندگی ہے، اُس میں بھی یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ انسان کا کیا دھرا آخرت میں کس طرح سامنے آئے گا۔ عذابِ دوزخ کے باب میں جو کہ انسان اگر دنیا میں اپنے خالق حقیقی اور اپنے نبی کی تعلیمات سے روگردانی کرتے ہوئے دنیا کی بُرائیوں میں ملوث ہوگا تو اسے عذاب آخرت بھگتنا پڑے گا۔ اس سے بچنے کے لیے لازم ہے کہ انسان برائیوں اور منکرات سے بچیں۔ جن کی تفصیل اس نے اس طرح بیان کی ہے :

نکو راگ سن، گیت کا توں نکو
برے کام میں جیو کو توں بھا نکو

کہتے ہیں محمدؐ علیہ اسلام
کہ ہے راگ ہور ساز دونوں حرام

نکو بت پرستی نکو پی شراب
کہ دوزخ میں ہوویگا جل جل کباب

زباں کس کی غیبت میں بھا و نکو
موے بھائی کا ماس کھا و نکو

بزرگاں تو یوں بول گئے ہے تمام
جو کوئی ہے حرامی سو کرتا حرام

نکو بد نظر کر کسی نار پر
پوچھیں گے قیامت پر میں سو یاد کر

انکھیاں باج تے کچ سنو جانجائے
بغیر علم اللہ کون بو جانہ جائے

اسی طرح زکوٰۃ کا بھی اُس نے ذکر کیا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کی قیامت میں کیسی فضیحت ہوتی ہے۔غرض اُس نے انسان کی اخلاقی تعلیمات کے کسی بھی پہلو کو نہیں چھوڑا ہم ایاغی کے نجات نامے کی ہی تعبیر وتشریح کرنے بیٹھیں تو ایک مقالہ درکار ہوگا کیونکہ اُس میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسلام کی چھوٹی بڑی یا قرآن کے احکامات کا بڑی باریک بینی سے نہ صرف جائزہ لیا ہے بلکہ اُس نے اپنے قاری کے لئے رہنمایانہ اخلاقی اصول بھی پیش کئے ہیں۔ایاغی کی یہ مثنوی کافی طویل ہے اس لئے مندرجہ بالا اشعار پر اکتفا کرتا ہوں میں سمجھتا ہوں کہ جتنی مثنویاں بیجاپور میں لکھی گئی ہیں اُن سب میں اخلاقی تعلیم کے اعتبار سے نجات نامہ ایک بہترین اور شاہکار مثنوی ہے۔موجودہ عہد کے علماء اور واعظین بھی اس طرح کے حقائق اور اس طرح کی نصیحتیں نہیں کرتے جیسی ایاغی نے کی ہیں۔دکنی روایات کے پیشِ نظر ہی جتنی اصلاحی تحریکات وجود پائی انہی نظریات کی توسیع ہے۔سر سید کے اصلاحی مضامین میں یقیناً اپنی جگہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں لیکن نجات نامہ میں اخلاقی تعلیمات کے جو اصول ایاغی نے پیش کئے ہیں وہ یقیناً خود اُس کی صالح فکر اور انسان اور خاص طور پر مسلمان کے تیں خلوص کا جیتا جاگتا اظہار ہے مثنوی نجات نامہ کسی کی نجات کا باعث ہو یا نہ ہو میں سمجھتا ہوں کہ خود امین ایاغی کی نجات کا باعث ہوگی اتنی خوبصورت اور پند ونصائح سے بھرپور اخلاقی مثنوی بیجاپور کے کسی شاعر نے قلمبند نہیں کی۔زندگی کے کسی شعبہ حیات کو بھی اُس نے اپنی آنکھوں سے اوجھل ہونے نہیں دیا اور زندگی کے اخلاقی نظام کو واضح بھی کیا ہے اور اُس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین بھی کی ہے۔

''نجات نامہ'' کے علاوہ ایک مثنوی ''مثنوی ہاشمی'' کے نام سے مشہور ہے۔ہاشمی نابینا ہوتے ہوئے بھی اپنی دکنی شاعری کی تخلیق میں نمایاں مقام رکھتا ہے،انہوں نے اس مثنوی کے ذریعہ ایسے ریاکار اللہ والوں کی بھیس میں جو صوفیوں کا لباس پہن کر معصوم عوام کو گمراہ کرتے ہیں ان لوگوں سے خاص طور پر خواتین کو جو نقصان ہوتا ہے اُس سے محفوظ رہنے کی تلقین کی ہے۔اس مثنوی میں خانم نام کی خاتون کا کردار مرکزی اہمیت کا حامل ہے۔اس کردار کے ذریعہ ہاشمی نے اپنے عہد کی خواتین کو سمجھانے کی کوشش کی ہے اور اُس دور کے ایک جھوٹے صوفی شاہ داول کی کرتوتوں کا راز فاش کیا ہے۔اس مثنوی میں یہ دکھایا ہے کہ دھوکے باز پیر کس طرح عورتوں کو ٹھگتے اور اِن کی عزت سے کھیلتے ہیں۔ہاشمی نے اپنے عہد کے جھوٹے صوفیوں سے عورتوں کو ہوشیار رہنے کی تلقین کی ہے کیونکہ عورت کا کردار بگڑ جائے تو اس سے پورے گھر اور خاندان اور سماج کو شرمندگی اور ندامت اور پشیمانی کا عذاب جھیلنا پڑتا ہے۔ہاشمی کے عہد اور ہمارے موجودہ عہد پر نظر ڈالیں تو ہمیں اکبرالہ ابادی کی یاد آجاتی ہے کہ انہوں نے اگرچہ ہاشمی کی مثنوی جیسے کرداروں کا ذکر تو نہیں کیا لیکن عورتوں کی اخلاقی بے راہ روئی سے ہونے والے سماجی اور معاشرتی نقصان اور نظام زندگی کی خرابی کا

ذکرضرورکیاہے۔اس مثنوی میں ہاشمی نے خانم کے ذریعہ عورتوں کی زبان میں کچھ اس طرح نصیحت کی ہے۔خانم کی سہیلیاں خانم سے شاہ داول کے بارے میں پوچھتی ہیں تو خانم جواب دیتی ہے:

میں چوکی کو گئی سوچ بھانا ہوا
نصیبوں کا میرے دیکھانا ہوا

شاہ داول کی چوکی جو جائے گی
دغا پائے گی اور خطا پائے گی

جو کوئی شاہ داول کی خدمت کرے
لیوے ٹھیکر ابھیک منگتا پھرے

خدا کے فرض کوں کریں گے ادا
نہ محتاج ہوئیں گے کسی کے سدا

نصیحت تو یاں بولتا ہے کسے
پس حال مین مست سارے دسے

ات ہاشمی اس کوں کر مختصر
نصیحت کے باتاں کوں رکھ باندہ کر

واضح رہے کہ ہاشمی بیجاپوری نے جس شاہ داول کا تذکرہ کیا ہے یہ وہ شاہ داول نہیں ہے جو حضرت برہان الدین جانم کے مرید اور خلیفہ تھے،جن کا مزار آج بھی بیجاپور میں موجود ہے۔ان کے علاوہ ایک اور بھی شاہ داول ہیں جو شیخ عبدالطیف داور

الملک گجراتی ہیں ان کے علاوہ دو اور شاہ داول ہیں اُن میں شاہ غلام محمد داول جو سعد اللہ گلشن کے ہم عصر تھے۔شاہ داول نام کے چوتھے بزرگ محمود غزنوی کی فوج میں شامل تھے۔

ہاشمی بیجاپوری کی پر گوئی، شاعرانہ فن کاری، غیر معمولی قوت متخلیہ، انسانی جذبات ونفسیات کا شعور اور ذخیرہ الفاظ کی وسعت کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ وہ مادر زاد نابینا تھا۔تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ ہاشمی بچپن ہی میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ سن شعور کو پہنچنے کے بعد چیچک کی بیماری کی وجہ سے ان کی آنکھیں ضائع ہوگئیں تھیں۔ ہاشمی کے کلام کی داخلی شہادتوں سے تذکرہ نویسوں کی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ وہ پیدائشی نابینا تھے۔

ہاشمی سے متعلق ڈاکٹر جمیل جالبی تاریخ ادب اُردو جلد اول صفحہ 354 میں لکھتے ہیں ’’ہاشمی اندھے ہونے کے باوجود ایک قادر الکلام اور پر گو شاعر تھے انہوں نے مثنویاں بھی لکھیں۔قصیدے اور غزلیں بھی‘‘۔۲

ہاشمی اپنی اندھے پن سے متعلق لکھتے ہیں:

سگل علم فن سوں میں دور ہوں
یو دونوں انکھیاں بستہ، معصور ہوں

انکھیاں نیئں پردوں کیوں موتیاں کے ہار
رتن دھنڈ کے کیوں لاؤں میں آبدار

مندرجہ بالا خیالات کی روشنی میں میں نے نجات نامہ کا بطور خاص ذکر کیا ہے کیونکہ اس میں زندگی کے تمام امور کو اخلاق لڑی میں پرونے کا کام کیا گیا ہے اور یہ اخلاق اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہیں جو اسلامی معاشرے کو بنانے اور سنوارنے کا فریضہ انجام دیتے نظر آتے ہیں۔تا حال ان دونوں مثنویوں کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ ان مثنویوں کی معنویت ہمارے دور کے تقاضوں کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ۔ تاریخ ادب اردو، جلد اول ۔ ص ۱۹۱

۲۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ۔ تاریخ ادب اردو، جلد اول ۔ ص ۳۵۴

☆☆☆

رابطہ

ڈاکٹر سید علیم اللہ حسینی

صدر شعبہ اردو انجمن ڈگری کالج، بیجاپور

موبائل: +91 96632 95805